صوفی ادب میں خضر کا مقام

ڈاکٹر تبسم منہاس☆

Khizar-peace be upon him- has been mentioned in Quran and Hadith many times, and the general perception about him is that he lives far away from the people in the deserts, valleyes and on the surfaces of seas and rivers, to guide the misguided to the straight path, save the laost and cofused and help the needy, so the Sufi used to mention Khizar-peace be upon him-as the divine guide, and now Khizar-peace be upon him-has become a literary symbol in the different Islamic languages. This research sheds light on Khizar-peace be upon him-in the Sufi literature.

تصوف:

تصوف ہر بلند اخلاق میں داخل ہونے اور ہر پست اخلاق سے خارج ہونے کا نام ہے۔ بلند اخلاق جیسے زہد، توکل، رضا اور تفویض وغیرہ، اور پست اخلاق جیسے ریا و عُجب، کبر و حسد اور بدگمانی وغیرہ (۱)۔ اسلامی تصوف کا ماخذ کتاب و سنت ہے۔ تمام صوفیاء بلا استثناء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جس تصوف کے قائل ہیں اس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ پر قائم ہے۔ اور یہی اس کے اصل ماخذ ہیں۔ کتب تصوف میں اس سلسلے میں بے شمار لکھا گیا ہے۔ حضرت عبد القادر جیلانی (م ۵۹۱ھ) فرماتے ہیں: کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر، تامل و تدبر کے ساتھ "ان

☆ مدیر اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

دونوں کا مطالعہ کرو۔ اور انہیں دونوں کو اپنا دستور العمل بناؤ۔ اور قال و قیل اور ہوا و ہوس سے دھوکہ نہ کھاؤ (۲)۔

کشف المحجوب میں آیا ہے کہ مشائخ طریقت اور عارفانِ حقیقت کو صوفی کہتے ہیں۔ اور مریدین و متعلقین اور سالکینِ معرفت کو متصوف۔ صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے۔ اور خواہشاتِ نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدے کے ذریعے اس مقام کو طلب کرے۔ اور وہ اس مقام کی طلب و حصول میں صادق و راستباز رہے (۳)۔

اور جگہ پر کشف المحجوب میں داتا گنج بخش فرماتے ہیں: صفاء کدورت کی ضد ہے۔ اور کدورت صفاتِ بشری میں سے ہے۔ حقیقۃ صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے گزر جائے۔ تمام مشائخِ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر تغیر و تلون کی حدود سے نکل جاتا ہے۔ تو وہ تمام احوالِ محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور وہ تمام بشری صفات کی کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ یعنی بندہ جب دل میں اپنی کسی تعریف و توصیف سے نہ لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور نہ اپنے میں کسی صفت کو دیکھ کر متعجب ہوتا ہے۔ ایسے بندوں کے احوال کو عام عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور وہم و گمان کے تصرف سے ان کی زندگی پاک و صاف ہوتی ہے۔ نہ ان کے حضور کو زوال ہے۔ اور نہ ان کے وجود کے لئے اسباب کی حاجت (۴)۔

تصوف کا تعلق اصلا انسان کے اندر سے ہے باہر سے نہیں۔ اس کا مقصد صبر، توکل، اور اخلاص جیسے فضائل، خوف، خشیت اور محبت جیسی کیفیات، دنیا سے بے نیازی، خاموشی، اور خلوت نشینی جیسے رجحانات، فقر و فاقہ، عبادت و شب بیداری اور ذکر و فکر جیسے اعمال پیدا کرنا ہے تا کہ روح میں مطلوبہ صفات پیدا ہو سکیں (۵)۔

خضر علیہ السلام: فرشتہ، نبی یا نیک بندہ:

لسان العرب کے مطابق خضر بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے تھے۔ اور صاحبِ موسیٰ تھے۔ جو حضرت موسیٰ سے مجمع البحرین پر ملے۔ ان کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ (۶)۔ [اردو لغت] میں خضر کے بارے میں ہے کہ وہ مشہور پیغمبر ہیں۔ مجازاً رہنما (۷)۔ فرہنگِ آصفیہ میں حضرت خضر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ایک پیغمبر کا نام جن کا معجزہ تھا کہ جہاں بیٹھتے وہاں سبزہ نمودار ہو جاتا۔ یا جس جگہ سے گزر جاتے وہ جگہ ہمیشہ سبز و شاداب رہتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ لقب پڑ گیا۔ کیونکہ خضر بمعنیٰ سبز و سبزہ (۸)۔ ایک انگریز مؤرخ کا بیان ہے کہ خضر ایران کے شاہانِ قدیم میں سے ایک بادشاہ کے وزیر تھے، جسے سکندرِ اعظم یا کیقباد کہتے تھے (۹)۔

فرہنگِ آصفیہ کے مصنف کہتے ہیں کہ سیر المتأخرین نے خضر کا اصل نام بلیان بن کلیان بن شالخ بن

ارفخشذ بن سام بن نوح لکھا ہے۔ اور وجہ خضر کی یہ بیان کی ہے کہ ایک دفعہ آپ پوستین سفید پر جو بیٹھے تو آپ کے قدمِ مبارک کی برکت سے وہ سبز ہو گیا۔ شیراز سے دو فرسنگ کے فاصلے پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اور بعض مؤرخین عہدِ ابراہیم میں آپ کی پیدائش بیان کرتے ہیں۔ تاریخِ جہان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ آپ سے مجمع البحرین میں بحکم خدا جا کر ملے۔ اٹھارہ روز معاشر و مصاحب رہے۔ اور ان کی خدمت سے ایک خاص تعلیم بوسیلہء سفر حاصل کی۔ خضر ایک محاورہ بھی بن گیا ہے کہ خضر ملے، یعنی مراد حاصل ہوئی۔ پورے رہنما مل گئے۔ کام بن گیا۔ اُمید بندھ گئی (۱۰)۔

تاج العروس میں آیا: **قال ابن عباس: الخضر نبی من انبیاء بنی اسرائیل، وهو صاحب موسیٰ الذی التقیٰ معه بمجمع البحرین، وأنکر نبوته جماعة من المحققین وقالوا الأولیٰ أنه رجل صالح، وقال ابن الأنباری: الخضر عبد صالح من عباد الله تعالیٰ. واختلف فی سبب لقبه، فقیل: لأنه جلس علیٰ فروة بیضاء فاهتزت تحته خضراء (۱۱)۔**

ابن کثیر میں آیا کہ ملاقات میں حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ یہ تین کام جو میں نے کئے ہیں اپنی خوشی سے نہیں کئے۔ بلکہ احکامِ خدا بجا لایا ہوں۔ اسی سے بعض لوگوں نے حضرت خضر کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول تھے۔ ایک قول ہے کہ وہ فرشتہ تھے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ ایک ولی اللہ تھے۔ امام ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان بن خالع بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ لقب خضر ہے (۱۲)۔

تفہیم القرآن میں مولانا مودودی اس بارے میں کہتے ہیں کہ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن اُبی بن کعب عن رسول اللہ ﷺ کی سند سے ائمہء حدیث کو پہنچی ہے۔ ان میں حضرت خضر کے لئے صرف رجل کا لفظ آیا ہے جو اگرچہ مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر انسانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لئے مستعمل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ سورہء جن میں ارشاد: **وأنه کان رجال من الانس یعوذن برجال من الجن۔** نیز یہ ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر مرئی وجود جب انسانوں کے سامنے آئے گا۔ تو انسانی شکل ہی میں آئے گا۔ اور اسی حالت میں اس کو بشر یا انسان ہی کہا جائے گا۔ حضرت مریم کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا تو قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے: **فتمثل لها بشراً سویا۔**

پس قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا، حضرت خضر کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم خضر کو

انسان نہ مانیں۔ بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلّف نہیں ہے۔ بلکہ کارگاہِ مشیت کی کارکن ہے (۱۳)۔

مولانا مودودی کی طرح قرطبی اپنی کتاب الجامع لأحکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھا۔ لیکن خود قرطبی کی نظر میں وہ ایک نبی تھے۔ اور اس بات پر ان کی نظر میں یہ آیت دلالت کرتی ہے: **وما فعلته عن أمری**۔ اس آیت کو دلیل بنا کر وہ کہتے ہیں کہ اس طرح اُنہیں احکامات وحی کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ نبیوں کی طرف وحی کئے جاتے تھے (۱۴)۔

تفسیر روح المعانی میں خضر کے بارے میں ہے: **الجمهور علیٰ أنه الخضر بفتح الخاء، وقد تُكسر، وكسر الضاد، وقد تُسكن، وقيل اليسع، وقيل الياس، وقيل ملك من الملائكة وهو قول غريب باطل كما فی شرح مسلم، والحق الذی تشهد له الأخبار الصحيحة هو الأول، والخضر لقبه، ولقب به كما أخرج البخاری وغيره عن رسول الله ﷺ لأنه جلس علیٰ فروة بيضاء فاذا هی تهتز من خلفه خضراء** (۱۵)۔

بہرحال تفاسیر اور صحیح روایات کے مطابق راجح رائے یہ ہے کہ خضر نہ نبی تھے، نہ ولی۔ بلکہ رجل صالح تھے۔ جہاں تک ان کے نام کا تعلق ہے تو تفسیر ابن کثیر میں آیا ہے کہ قرآن میں خضر کا نام نہیں آیا۔ بلکہ [**عبدا من عبادنا**: میرے بندوں میں سے ایک بندہ] کہا گیا۔

آبِ حیات:

فرہنگِ آصفیہ میں حضرت خضر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر ہی سکندر کو آبِ حیات تک لے گئے تھے جس کے پینے سے ان کو عمرِ جاوداں نصیب ہوئی۔ مگر سکندر محروم رہا۔ مگر یہ سکندر مقدونیہ والا سکندر، جسے سکندر رومی بھی کہتے ہیں، نہیں ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ خضر کو آبِ حیات کا چشمہ ملا۔ اور انہوں نے اس کا پانی پی کر عمرِ جاوید پائی۔ [اردو لغت] میں خضر کے بارے میں ہے کہ حضرت خضر نے آبِ حیات پیا تھا (۱۶)۔

تاج العروس میں خضر کے حوالے سے آیا کہ وہ: **نبی معمر محجوب عن الأبصار، وأنه باق الیٰ يوم القيامة لشربه من ماء الحياة، وعليه الجماهير واتفاق الصوفية واجماع كثير من الصالحين، وأنكر حياته جماعة منهم البخاری وابن المبارك والحربی وابن الجوزی۔ وفی الفتوحات لابن عربی قد ورد النقل بما ثبت بالكشف من تعمير الخضر وبقائه وكونه نبيا، وأنه فی كل مائة سنة يصير شابا، وأنه يجتمع مع الياس فی موسم الحج كل عام. وقال فی**

موضع آخر: وقد لقيته باشبيليه وأفادني التسليم لمقامات الشيوخ، وأن لا أنازعهم أبدا .... (١٧)۔

خضر کیوں کر کے زیست کرتا ہے
آب حیواں میں پانی مرتا ہے (١٨)

حضرت خضر کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی سے پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں۔ تو وہ بارگاہِ الٰہی میں حقیقتِ حال کے انکشاف کے لئے متوجہ ہوئے۔ تو حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضر ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں۔ اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں۔ علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں۔ ہمیں اولیاء اللہ میں سے جو قطب مدار ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدارِ عالم بنایا ہے اور اس کی برکت و فیض سے دنیا کی بقا ہے (١٩)۔

خضر کے زندہ ہونے پر تفاسیر میں بہت لمبی چوڑی بحث کی گئی ہے۔ جیسے قرطبی نے لکھا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خضر مر چکے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے آبِ حیات پیا تھا۔ وہ زمین پر باقی ہیں۔ وہ حج بیت اللہ کرتے ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ اس معاملے میں بہت لکھا گیا۔ اور اُنہوں نے اپنی کتاب میں حضرت علی سے منسوب کیا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ان تمام ابحاث کی کوئی بنیاد نہیں۔ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر خضر زندہ ہوتے۔ اور حج بھی کرتے ہیں تو کہیں نہ کہیں ضرور ظاہر ہوتے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ قول سب سے بڑی دلیل ہے کہ: **أرأيتكم ليلتكم هذه فانه لا يبقىٰ ممن هو اليوم علىٰ ظهر الأرض أحد۔**

جہاں تک آبِ حیات کا تعلق ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ یہ ایک ایرانی کہانی ہے جس کو ترجمے کے ابتدائی دور میں قرآن کے حضرت خضر والے واقعے سے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ ورنہ قرآن میں کہیں آبِ حیات کا ذکر نہیں ہے۔ یہ غیر اسلامی چیزوں کو اسلامی روایات میں داخل کرنے کا زمانہ تھا۔ اب آبِ حیات کو خضر کے ساتھ اس طرح جوڑا جاتا ہے گویا کہ یہ بھی قرآنی قصہ کا حصہ ہے۔ اردو صوفی شعراء نے بھی فارسی شاعری کی پیروی کرتے ہوئے آبِ حیات کو خضر کے ساتھ جوڑ کر اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اور خضر کا آبِ حیات پی کر لمبی عمر پانے کو تشبیہ کے طور پر استعمال کیا جن میں میر تقی میر، میر درد سرِ فہرست ہیں۔ محمد ابراہیم ذوق کہتے ہیں:

ہو عمرِ خضر بھی تو معلوم وقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے (۲۰)

سلطان باہو نے بھی اپنے کلام میں خضر اور آبِ حیات کا ذکر کیا کہ جس نے آبِ حیات پی رکھا ہے وہ سدا کی زندگی جیئے گا۔ کہتے ہیں کہ کمالِ معرفت کا درجہ وہی اللہ والے حاصل کر سکتے ہیں جو آبِ حیات پیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے پروردگار کے ساتھ باقی باللہ ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں:

گند ظلمات اندھیر غباراں اگے راہ نیں خوف خطر دے ہو
ملھ آبِ حیات منور چشمے اوتے سائے زلف عنبر دے ہو
مثلِ سکندر ڈھونڈن عاشق اک پلک آرام نہ کر دے ہو۔
خضر نصیب جنھاں دے طالع باہو اوہ جا گھٹ اوتھے بھر دے ہو (۲۱)

یہ ایک تمثیلی بیت ہے جس میں سلطان باہو نے آبِ حیات، خضر، سکندر اور ظلمات کا ذکر کیا ہے۔ ان علامتوں سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ آبِ حیات کا حصول ایک مقصدِ عظیم ہے۔ اسے حاصل کرنے کی خاطر سکندر سعی اور جستجو کا نام اور مقام ہے۔ اور خضر علیہ السلام کامیابی و کامرانی کی علامت ہیں۔

حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام:

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کو خطبہ دے رہے تھے۔ پھر آپ سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں! تو چونکہ آپ نے اس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اللہ جانے، اس لئے رب کو یہ کلمہ پسند نہ آیا۔ اسی وقت وحی آئی کہ ہاں، مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے جو تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ نے فرمایا: پھر پروردگار، میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ حکم ہوا اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو۔ اسے توشہ دان میں ڈال لو۔ جہاں وہ مچھلی کھو جائے وہیں وہ مل جائیں گے۔ یہی ہوا۔ آپ اس جگہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب کپڑے میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے سلام کیا۔ اس نے کہا تعجب ہے۔ آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ بھلائی سکھائیں جو بھلائی آپ کو خدا کی طرف سے سکھائی گئی۔ پھر حضرت موسیٰ ساتھ رہے۔

پھر ان تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں، یعنی کشتی میں سوراخ، گرتی ہوئی دیوار دوبارہ کھڑی کر دینا، اور ایک لڑکے کو مار ڈالنا ہے۔ اور حضرت موسیٰ کی بے صبری پر ہی ابن کثیر کے مطابق رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ کاش حضرت موسیٰ صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کی اور بھی بہت سی باتیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا (۲۲)۔

درحقیقت قرآن پاک میں حضرت خضر اور موسیٰ کی ملاقات اور حضرت خضر کا احکامِ ربانی کے مطابق عمل کرنا انسان کو تقدیر کا قائل کرتا ہے۔ جو کچھ تقدیر کے مطابق خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہم انسان اپنی محدود عقل و علم کی وجہ سے اس مصلحت کو سمجھ نہیں پاتے جو ہمارے اس وقتی نقصان میں ہوتی ہے۔

حضرت خضر اور آنحضورﷺ:

ابن عبدالبر اپنی کتاب [التمہید] میں حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ اور اُنہیں کفن پہنا دیا گیا تو ہم نے غیب سے آواز سنی: **السلام علیکم۔ السلام علیکم أھل البیت، کل نفس ذائقة الموت، ان فی الله خلفا من کل ھالك، وعوضا من کل تالف، وعزاء من کل مصیبة، فباالله فثقوا، وایاہ فارجوا، فان المصاب من حُرِم الثواب** ۔ اور اصحاب النبی ﷺ اس غیبی آواز کو حضرت خضر سمجھتے تھے۔

ایک حدیث میں ذکر آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعزیت کے لئے آپ تشریف لائے تھے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اکثر محدثین حیاتِ خضر کے قائل نہیں۔ ان کی ایک دلیل آیتِ قرآنی: **وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد** :یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں دی۔ ایک دلیل حضرت محمد ﷺ کا غزوہ بدر میں یہ فرمانا ہے کہ الٰہی! اگر میری جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہ کی جائے گی۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ کے صحابہ سے ملتے۔ کیونکہ حضور ﷺ تمام جن وانس کی طرف خدا کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر موسیٰ وعیسیٰ زندہ ہوتے تو اُنہیں بھی بجز میری تابعداری کے چارہ نہ تھا۔ آپ ﷺ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے فرماتے ہیں کہ آج جو زمین پر ہیں ان میں سے ایک بھی آج سے ایک سو سال کے بعد باقی نہ رہے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خضر کو اس لئے خضر کہا گیا کہ وہ سفید سوکھی گھاس پر بیٹھ گئے تھے یہاں تک کہ اس کے نیچے سے سبزہ اُگ آیا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ اور پھر وہ لہلہانے لگی (۲۳)۔

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھے سفر میں پیاس معلوم ہوئی۔ اور شدتِ پیاس سے بیہوش ہوکر گر پڑا۔ کسی نے میرے منہ پر پانی چھڑکا۔ تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ تو میں نے ایک حسین، خوبرو شخص کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا: میرے ساتھ رہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس جوان نے مجھ

سے کہا: تم کیا دیکھتے ہو۔ میں نے کہا یہ مدینہ ہے۔ کہا: اُتر جاؤ۔ میرا اسلام حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا۔ اور عرض کرنا آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔ (۲۴)۔

حضرت خضر اور صوفیائے کرام:

عبداللہ یافعی یمنی کی کتاب [کراماتِ اولیاء] میں ہے کہ خضر حضرت ابراہیم بن ادہم کو ملے۔ اور جنت کا ہریسہ کھلایا۔ اس حوالے سے حضرت سفیان بن ابراہیم بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ میرا دل تیس برس سے ہریسہ کو چاہتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت خضر ہریسہ لے آئے او مجھے پیش کیا۔ میں نے خضر سے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ کوئی چیز بھی اپنے توشہ دان میں نہ رکھیں۔ تو خضر نے کہا: کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم سے درگزر فرمائے۔ مجھ کو یہ رضوان داروغہ جنت نے بحکمِ خدا دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اے خضر! یہ کھانا لے جا کر ابراہیم کو کھلا دیں۔ ۔۔ حضرت خضر مجھے کھلاتے رہے یہاں تک کہ میں سو کر اُٹھا اور کھانے کا مزہ منہ میں اور رنگ زعفران میرے لبوں پر تھا (۲۵)۔

کراماتِ اولیاء میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیخ ابو محمد بن کبش اکثر اوقات خضر علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے (۲۶)۔

لعل بیگ نے ثمرات القدس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری بہت سے اولیاء وقت کو ملے۔ اور ان کے ہم صحبت رہے۔ نیز حضرت خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے۔ اور ان سے علمِ ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا (۲۷)۔

کراماتِ اولیاء میں یہ واقعہ آیا ہے کہ حضرت خضر نے ایک ابدال سے پوچھا کہ آپ نے کسی ولی اللہ کو دیکھا جو آپ سے درجہ میں بڑا ہو۔ اس ابدال نے بتایا کہ ایک جوان ایسا ہے جو آپ کو مسجد نبوی میں ملے گا۔ خضر اس جوان کے پاس گیا۔ تو دیکھا کہ شیخ عبدالرزاق حدیث نبوی سنا رہے تھے۔ اور ایک جوان مسجد کے ایک کونے میں بیٹھا ہے۔ پوچھنے پر کہ آپ بھی شیخ عبدالرازق سے حدیث کیوں نہیں سن رہے کہا کہ کچھ لوگ عبدالرازق سے سنتے ہیں اور کچھ رازق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے بندے سے۔ خضر نے اس جوان سے پوچھا کہ اگر تمہار کہنا سچ ہے تو بتاؤ میں کون ہوں؟ جوان نے کہا کہ اگر فراستِ مومن سچ ہے تو آپ خضر ہیں۔ خضر کہتے ہیں کہ میں نے جانا کہ اللہ کے ایسے دوست ایسے بھی ہیں جن کو ان کے عالی مرتبہ ہونے کی وجہ سے میں نہیں پہچانتا (۲۸)۔

ایسے بھی صوفی گزرے ہیں کہ حضرت خضر خود ان سے مصاحبت چاہتے تھے۔ لیکن وہ اس خوف سے کہ ان کے توکل میں خلل نہ آ جائے، مصاحبت نہیں کرتے تھے۔ جن میں حضرت ابو اسحق ابراھیم بن احمد الصوفی الخواص تھے۔ آپ نے فرمایا کہ خضر نے میری مصاحبت چاہی۔ میں نے قبول نہ کی۔ میں ڈرا کہ مبادا میرے توکل میں خلل واقع ہو۔ اور میں نے نہ چاہا کہ حق تعالیٰ کے سوا میرے دل میں دوسرے کا مرتبہ اور عظمت قائم ہو (۲۹)۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ میں بیاباں مین جا رہا تھا۔ میں نے خضر کو دیکھا کہ ایک مرغ کی

صورت میں ہیں۔ اور اُڑے چلے جا رہے ہیں۔ میں نے ان کو جونہی دیکھا اپنا سر جھکا لیا۔ تا کہ میرا توکل باطل نہ ہو۔ وہ فوراً میرے پاس آئے اور کہا کہ اگر تم مڑ کر بھی میری طرف دیکھتے تو میں تمہارے پاس نہ آتا۔ میں نے ان کو سلام بھی نہ کہا تا کہ توکل میں خلل نہ پڑے (۳۰)۔

صوفیا کی نظر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنے اس بندے کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ پردہ اُٹھا کر وہ ایک نظر اُنہیں یہ دکھائے کہ کارخانہء مشیت میں کن مصلحتوں کے مطابق کام ہوتا ہے، جنہیں سمجھنا انسان کے بس میں نہیں۔ صرف اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کے لئے بندے کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ان کو انسان قرار دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔ سورہء انبیاء، آیت نمبر ۲۶، اور سورہء زخرف، آیت نمبر ۱۹، اور متعدد دوسرے مقامات پر فرشتوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی واقعہ سے یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ہم پر جب کوئی مشکل وقت آئے، یا کوئی فیصلے ہماری مرضی کے خلاف ہو رہے ہوں۔ تو دراصل بہتری اسی میں ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی محدود عقل و علم کی وجہ سے مصلحت کا علم نہیں ہوتا۔

صوفیاء کے لئے حضرت خضر کی بنیادی حیثیتیں:

تزکیہ نفس کی نعمت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ بندہ اہلِ معرفت سے راہنمائی حاصل نہ کر لے۔ اور یہ اہلِ معرفت ہی مرشد اور ہادی ہوتے ہیں۔ تقریباً تمام صوفیائے کرام نے خضر کو مرشد اور ہادی کے طور پر لیا ہے۔ اور انہیں غیبی مدد کرنے والے، گمراہ کو راستہ بتانے والے اور تلقیء علم کا ایک مصدر سمجھا۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صوفیا کے نزدیک حضرت خضر کی تین بنیادی حیثیتیں ہیں۔ یعنی: ۱۔ پیر و مرشد۔ ۲۔ تلقیء علم کا ایک مصدر۔ ۳۔ غیبی مددگار اور رہنما۔

۱۔ حضرت خضر پیر و مرشد:

اسلامی ادبیات میں موجود تصور انسان کامل سے شیخ یا مرشد یا پیر کا تصور بہت حد تک وابستہ ہے۔ شیخ، مرشد یا پیر تقریباً ان تمام اوصافِ حمیدہ کا حامل ہوتا ہے جو مسلم مفکرین کی نظر میں انسان کامل میں ہونی چاہئیں (۳۱)۔ انسان کامل کو شیخ، پیر، پیشوا، ہادی، قطب، عیسیٰ (کہ عیسیٰ کی طرح مردہ روح کو زندہ کر دیتا ہے) اور خضر بھی کہا جاتا ہے (کہ حضرت خضر کی طرح وہ معرفت کا آبِ حیات عطا کرتا ہے) (۳۲)۔

حضرت شہاب الدین سہروردی کی نظر میں طریقہء تصوف میں مرشد یا شیخ کا مرتبہ بہت اعلیٰ اور افضل ہے۔ بلکہ وہ دعوت الی اللہ میں پیغمبروں کی نیابت کرتا ہے۔ شیخ اپنے مرید میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح پیدا کرتے

ہوئے رسول اکرم ﷺ کی پیروی کے راستے پر لگا دیتا ہے (۳۳)۔

اسلامی تصوف میں خضر علیہ السلام مرشد اور ہادی کے طور پر آتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک حضرت خضر کا تصور ایک مرشد کا تصور ہے۔ گویا کہ جو کام اللہ اور اس کے رسول کے درمیاں حضرت جبریل علیہ السلام کرتے تھے۔ وہی کام اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیاں خضر علیہ السلام کرتے ہیں، یعنی ارشاد و ہدایت کا کام۔

حضرت سلطان باہو اپنی کتاب [عین الفقر] میں لکھتے ہیں کہ حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑ دیا۔ حالانکہ وہ خود بھی اس میں سوار تھے۔ اور ایک دیوار گرا کر اسے نئے سرے سے بنا دیا۔ ایک بچے کو مار دیا۔ ان تینوں واقعات پر حضرت موسیٰ نے گرفت کی۔ اور ہر بار اعتراض کیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر اپنا عہد یاد کرواتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ معافی چاہتے۔ اور فرماتے کہ میں بھول گیا۔ اب نہیں کہوں گا۔ بالآخر تیسرے واقعہ پر حضرت موسیٰ سے حضرت خضر نے فرمایا: **هذا فراق بيني وبينك ، سانبئك بتاويل ما لم تستطع عليه صبرا**۔ حضرت موسیٰ کو ظاہری علم تھا۔ اور حضرت خضر کو علم باطنی۔ بس طالب اور کامل پیر کی مثال حضرت موسیٰ اور حضرت خضر جیسی ہے۔ اور کامل پیر مثل طبیب، اور طالب مثلِ مریض ہے۔ طبیب معالجہ میں کبھی دوائی تلخ اور کبھی شیریں دیتا ہے۔ مریض کو چاہئے کہ اس دوا کو کھائے تا کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔ (۳۴)۔

حضرت سلطان باہو نے خضر، آبِ حیات، مرشد اور محبتِ حق کو کئی طرح کے وسیع تناظر میں پیش کیا ہے۔ اور وہ خود اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آبِ حیات دراصل عشق ہی کی جوہر دار تلوار ہے۔ اور یہ بھی کہ جسے عشق نصیب ہو گیا گویا اس نے آبِ حیات ہی پی لیا۔ اور اس عشق کی انتہا یہ ہو جاتی ہے کہ بندے کا حق کے ساتھ عشق آخر خود حق بن جاتا ہے (۳۵)۔ درج ذیل اشعار میں حضرت سلطان باہو نے حضرت خضر اور ان کے ذریعے سے آبِ حیات حاصل کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ایہ تن رب سچے دا حجرا وچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواجہ خضر دی تیرے اندر آبِ حیاتی ہو
شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھی وست کھڑاتی ہو
مرن تھیں اگے مر رہے باہو جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو (۳۶)

ترجمہ: اے اللہ کے بندے! اے اللہ کے فقیر یہ تیرا تن اور جسم ترے اللہ کا گھر ہے۔ اس گھر میں اللہ رہتا ہے۔ اس لئے تو ذرا اپنے من کے اندر جھانک کر تو دیکھ۔ تجھے تیرا خدا مل جائے گا۔

تو حصولِ آبِ حیات کی خاطر حضرت خضر علیہ السلام کی منت ساجت کرتا پھرتا ہے۔ اگر تو توجہ دے اور غور کرے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ آبِ حیات کا چشمہ جس کے لئے تو سرگرداں ہے۔ وہ تو تیرے اپنے اندر بحوالہ عشقِ الٰہی موجود ہے۔

حضرت سلطان باہو کے نزدیک مرشد اور مرشدِ کامل ہی سب سے بڑا ہادی اور رہنما ہے۔ اسی لئے وہ اپنے مرشد کامل ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

مرشد مینوں حج مکے دا دروازہ ہو
کراں طواف دوالے قبلے حج ہووے نت تازہ ہو
کن فیکون جدوں سنیا سوڑ ٹھا اللہ دا دروازہ ہو
سدا حیاتی والا باہو اوہ کتھے خضر خواجہ ہو (۳۷)

ترجمہ: میرے لئے میرا مرشد کامل بیت اللہ شریف کے حج کی مانند ہے۔ اور یہی مرشد میرے لئے نزولِ رحمتِ حق کے دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور میں تو اپنے مرشد کامل ہی کو خانہ کعبہ اور قبلہ سمجھتا ہوں۔ اور ہر روز اسی کے گرد طواف کرتا رہتا ہوں۔ گویا میں ہر روز ایک طرح سے حج ہی کرتا رہتا ہوں۔ یا ہر روز نیا اور تازہ حج کرتا رہتا ہوں۔

میری کیفیت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس وقت اس کائنات کو تخلیق کرنے کی خاطر کن کہا۔ اور وہ فیکون کی صورت میں مجسم ہو گئی۔ تو مجھے اس وقت بھی سب سے پہلے میرا پروردگار میرے مرشد ہی کے حوالے سے دکھائی دیا۔ اس طرح میرے اللہ نے مجھے انوارِ الٰہی میں لے لیا۔

میرے مرشد کامل کی مثال حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی ہے کہ جن کے لئے سدا کی حیاتی اور دوامِ زندگی ہے۔ میرا مرشد ہی میرا ہادی اور رہنما ہے۔

تصوف اسلامی میں مرشد کی حیثیت ایک بنیاد کی سی ہے جس کے بغیر کوئی عمارت قائم نہیں ہو سکتی۔ سالک کے لئے مرشد کی مثال ایسی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت خضر کی۔ جو کچھ مرشد کہے یا کرے اُس پر سالک اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے یا کہتا ہے الہام سے کرتا اور کہتا ہے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کا قصہ یاد کرے (۳۸)۔

علامہ اقبال حضرت خضر علیہ السلام کو علم و معرفت کی صفت سے متصف سمجھتے ہیں:

رازِ حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ نا تمام سے (۳۹)۔

اپنی طویل نظم [خضر راہ] میں علامہ نے خضر کا تصور بحیثیت ہادی و مرشد پیش کیا ہے۔ اس نظم میں ہمیں خضر ایسے تجربہ کار بزرگ نظر آتے ہیں جو آبادیوں سے دور صحراؤں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس علم و حکمت اور مسائل کے حل موجود ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر رنگِ شباب
اے تری چشمِ جہاں بیں پر وہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے خموش
کشتیٔ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش

خضر علامہ اقبال کی حیرت اور تعجب کا یوں جواب دیتے ہیں:

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگا پوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل

۲۔ حضرت خضر تحصیل علم کا ایک مصدر:

صوفیہ کہتے ہیں کہ علم کے دو قطب ہیں۔ ایک انسان کا وجود کہ ہر علم کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے۔ دوسرا خدا کا وجود کہ ہر چیز کا علم وہاں پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی علم کی ابتدا انسان کی ذات اور انتہا ذاتِ حق ہے۔ صوفیہ کے نزدیک انسان کے لئے خدا تک پہنچنے کے دو راستے ہیں: ایک ظاہری راستہ، اور دوسرا باطنی راستہ۔ ظاہری راستہ سے خدا کو

جاننے کی کوشش عقل واستدلال سے کی جاتی ہے۔ اور باطنی راستے سے خدا کو پانے کی کوشش ریاضت ومجاہدہ اور کشف وشہود سے کی جاتی ہے۔

صوفیاء کی نظر میں حضرت خضر کے پاس ایسا علم لدنی ہے جو کسی انسان کے پاس نہیں۔ انسان کے پاس ظاہری علم ہے۔ جبکہ حضرت خضر کے پاس باطنی علم۔ یہی بات اُنہوں نے سورہ کہف میں کہی کہ جو علم مجھے دیا گیا۔ وہ آپ [حضرت موسیٰ علیہ السلام] کو نہیں دیا گیا۔ اور جو علم آپ کو دیا گیا وہ مجھے نہیں دیا گیا۔ علم لدنی خضر کے لئے مخصوص کیا گیا [**و علمناه من لدنا علما**] (۴۰)۔

جب حضرت ابراہیم بن ادھم نے صحرا نوردی اختیار کی تو ایک بزرگ آپ کو ملے۔ اور اسم اعظم سکھایا۔ آپ نے اسی نام سے خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے فوراً بعد آپ نے حضرت خضر کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اے ابراہیم بن ادہم! وہ شخص جس نے تمہیں اسمِ اعظم سکھایا ہے۔ وہ میرے بھائی داود تھے۔ پھر حضرت خضر اور حضرت ابراہیم بن ادہم کے درمیان کافی گفتگو رہی۔ پھر آپ نے حضرت خضر کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ جس کی بدولت اللہ کے حکم سے بلند ترین درجے کو پہنچے (۴۱)۔

شیخ امام ابو محمد عبد المعطی بن محمود بن عبد المعطی اللخمی اپنی شرح، القشیر ی میں صالحین اور صالحات کی ایک جماعت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت خضر کو دیکھا۔ اور ملاقات بھی کی۔ ابن ابی الدنیا اپنی کتاب [الھواتف] میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب حضرت خضر سے ملے تھے۔ اور خضر نے اُنہیں دعا سکھائی تھی: **یا من لا یشغله سمع عن سمع، ویا من لا تغلطه المسائل، ویا من لا یتبرم من الحاح الملحین، أذقنی برد عفوك، وحلاوة مغفرتك۔**

ابن ابی الدنیا نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عمر بن الخطاب بھی یہ دعا جانتے تھے۔ اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے یہ سنا تھا کہ یہ دعا انہیں حضرت خضر نے سکھائی ہے۔ اور یہ کہ اس دعا کا ثواب عظیم ہے۔ اور مغفرت اور رحمت کا باعث ہے کہ اس کے لئے جو اسے ہر نماز کے بعد پڑھے (۴۲)۔

تلقی ءعلم کے ایک مصدر کے حوالے سے کراماتِ اولیاء میں ایک واقعہ بتایا گیا کہ ایک بزرگ کو سفر میں بہت پیاس اور گرمی لگی ارو وہ سخت تکلیف میں تھے۔ جب سوئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ میں خضر ہوں۔ بزرگ نے ان سے کوئی دعا سکھانے کی درخواست کی۔ خضر نے فرمایا کہ تین بار یہ دعا پڑھو: **یا لطیفا بخلقه، یا خبیرا بخلقه، یا حکیما بخلقه، الطُف بی یا لطیف یا علیم یا خبیر۔** پھر فرمایا کہ یہ ایسا تحفہ ہے کہ اس سے ہمیشہ کے لئے غنا ہے (۴۳)۔

حضرت محمد سماک کے لئے خضر تلقی علم کا ایک مصدر ثابت ہوئے۔ کہ حضرت احمد حواری فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن سماک بیمار پڑے۔ اُنہیں معالجہ کے لئے غیر مسلم طبیب کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک نورانی شکل کے بزرگ سامنے آئے۔ انہوں نے پوچھا تو کہاں جاتا ہے! میں نے حال بیان کیا۔ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ! خدا کے دشمن سے مدد طلب کرتا ہے۔ لوٹ جا اور ابن السماک سے کہہ اس مقام پر ہاتھ رکھے جہاں درد ہے۔ اور یہ آیت پڑھے: **أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۔ وبالحق أنزلناه وبالحق نزل** ۔ چنانچہ وہ لوٹ آئے۔ شیخ نے ایسا ہی کیا۔ اچھے ہو گئے۔ بعد از آں حضرت سماک نے مجھ سے کہا کہ تم ان کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ وہ حضرت خضر تھے۔

حضرت محمد علی حکیم ترمذی کے لئے حضرت خضر علیہ السلام علم کا ایک مصدر ثابت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ وہ اور دو اور طالب علم، علم کی غرض سے دوسرے شہر جانے لگے۔ آپ کی والدہ نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے جانے نہ دیا۔ اس واقعے کو پانچ ماہ گزر گئے۔ ایک روز وہ قبرستان میں بیٹھے زار زار رو رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ میں یہاں بیکار رہا۔ میرے ساتھی عالم بن کر آ جائیں گے۔ اور میں کچھ نہ بن سکا۔ اچانک نورانی شکل کے ایک بوڑھے شخص نمودار ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیوں رو رہا ہے۔ آپ نے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میاں! اگر تم منظور کرو تو میں ہر روز یہیں آ کر سبق پڑھا جایا کروں تا کہ تم جلدی سے ان ساتھیوں سے سبقت لے جاؤ۔ شیخ نے کہا کہ حضرت میری تو یہی تمنا ہے۔ غرض وہ بزرگ تین برس تک روز آتے رہے۔ اور آپ کو سبق پڑھاتے رہے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں تو فرمایا کہ یہ دولت مجھے والدہ صاحبہ کی رضا مندی سے نصیب ہوئی ہے (۴۴)۔

کسی نے ایک درویشِ دوراں سے کہا کہ مجھے نصیحت فرمائیے کہ میں سفر پر جا رہا ہوں۔ فرمایا: اگر عبرت کے لئے سفر کر رہے ہو تو یہ دنیا کافی ہے۔ اگر دوست چاہئے تو خدا کافی ہے۔ اگر ہمسفر چاہئے تو کراماً کاتبین کافی ہیں۔ اگر مونس چاہئے تو قرآن کافی ہے۔ اگر کوئی مشغلہ چاہئے تو عبادت کافی ہے۔ اگر زادِ راہ چاہئے تو علم و حکمت کافی ہیں۔ اگر یہ باتیں جو میں نے بیان کی ہیں کافی نہیں تو تمہیں دوزخ کافی ہے (۴۵)۔

۳۔ حضرت خضر غیبی مددگار اور راہنما:

صوفیاء کی نظر میں خضر کا بہت بڑا مقام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیبی امداد خضر کے ذریعے کرتے ہیں۔ اکثر صوفیاء کی تصنیفات و تالیفات میں غیر معمولی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ صوفی کہتے ہیں کہ وہ ہوا میں اُڑتے ہیں۔ پانی کی سطح پر رہتے ہیں۔ صحراؤں و وادیوں اور پہاڑوں پر رہتے ہیں۔ گمراہ کو راستہ دکھانے والے ہیں۔ بے

یار و مددگار کی مدد کرتے ہیں (۴۶)۔

بڑے بڑے صوفیاء، ابدال اور قطب کے بارے میں ہے کہ خضر ان کی مدد اور راہنمائی کے لئے ان سے انسانی شکل میں ملتے ہیں۔ جیسے حضرت عبد القادر جیلانی نے بیابانِ عراق میں حضرت خضر سے ملاقات کی۔ انہوں نے انہیں کھانا کھلایا۔ اور کہا کہ بغداد جاؤ۔ اور خلقِ خدا کی ہدایت میں مشغول ہونے کی تلقین کرو (۴۷)۔

مناقب العارفین میں ہے کہ حکومت کا ایک بڑا کارندہ مولانا رومی کی خدمت میں آیا اور کہا کہ وہ توبہ کرے۔ ملازمت چھوڑ دے۔ اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جائے۔ مولانا رومی نے فرمایا کہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک کوتوال تھا۔ ہر روز خضر اس کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ اچانک اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اور اللہ اللہ کرنے لگا۔ پھر حضرت خضر کبھی اس کے پاس نہ آئے۔ کوتوال کو بہت پریشانی ہوئی۔ رات کو بہت روتا رہا۔ خواب میں اسے حکم ہوا کہ جو کام تم کر رہے تھے، تمہارا مرتبہ اسی کی وجہ سے تھا۔ صبح اُٹھا۔ خلیفہ کی خدمت میں گیا۔ اور ملازمت کے لئے درخواست کی۔ خلیفہ کے استفسار پر اس نے سارا معاملہ بیان کیا۔ خلیفہ نے اس کو کوتوالی کا عہدہ دوبارہ دے دیا۔ حضرت خضر پھر اس سے ملنے آنے لگے۔ کوتوال نے حضرت خضر سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے۔ حضرت خضر نے کہا کہ تیرے بلند درجات کا سبب یہ ہے کہ تو دفتر میں بیٹھتا ہے۔ کمزوروں اور غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ مظلوموں کو ظالموں سے رہائی دلاتا ہے۔ اور یہ بات ہزاروں خلوتوں اور چلہ کشیوں سے بہتر ہے۔ جب اس شخص نے مولانا رومی سے یہ قصہ سنا۔ اپنا عہدہ دوبارہ قبول کر لیا۔ اور ملازمت کے کاموں میں مصروف ہو گیا (۴۸)

۔ اس واقعہ میں مولانا رومی نے خضر کو ہادی اور راہنما کے طور پر ہی پیش کیا ہے۔

شیخ ابو عمران الواسطی فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے ارادے سے چلا۔ جب حرم سے باہر نکلا تو مجھے شدت کی پیاس لگی۔ یہاں تک کہ میں اپنی جان سے نا اُمید ہو گیا۔ اور ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک سوار سبز گھوڑے پر میرے پاس پہنچے۔ ان کا زین لگام لباس اور ہتھیار سب کے سب سبز تھے۔ اور ان کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ تھا جس میں سبز رنگ کا شربت تھا۔ مجھے دے کر کہا اسے پی لے۔ میں نے اسے تین بار پیا لیکن پیالے میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ تا کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں اصحاب رضی اللہ عنہما کو سلام کروں۔ فرمایا: جب تم مدینہ منورہ پہنچ کر سلام کر چکو تو میری طرف سے کہہ دینا کہ خضر آپ کو سلام کہتا ہے (۴۹)۔

حضرت خضر اردو شاعری میں:

اردو شاعری میں بھی خضر کو اعلیٰ مقام ملا۔ چنانچہ مختلف شعرا کے ہاں خضر کی مختلف حیثیتوں کو بطورِ علامت

استعمال کیا گیا ہے۔ لمبی عمر کے حوالے سے میر درد کہتے ہیں:

ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے، خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی (۵۰)
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے (۵۱)

بھٹکے ہوؤں کے راستہ بتانے کے حوالے سے کہتے ہیں:

بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وار ہی
بھلا وے خضر کو مری گم رہی (۵۲)۔

میر تقی میر خضر کے نام کے مطلب کے حوالے سے کہتے ہیں:

جزر و مد سب حواس کھوتا تھا
خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا (۵۳)

خضر کی ہادی و مرشد کا حوالہ دے کر غالب کہتے ہیں:

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے (۵۴)
کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی (۵۵)

آبِ حیات کا حوالہ دے کر محمد ابراہیم ذوق کہتے ہیں:

کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا
بقا کا ذکر ہی کیا اس جہانِ فانی میں (۵۶)

غیبی مددگار کی حیثیت کا حوالہ دے کر آتش کہتے ہیں:

اے خضر! راہِ منزلِ مقصود، الغیاث
چھوٹا ہے مجھ غریب کا مجھ سے دیار دور (۵۷)

مولانا الطاف حسین حالی یہی حوالہ دے کر کہتے ہیں:

پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مدد گاری کا
ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ (۵۸)

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے ہاں خضر کا جو تصور پیش کیا گیا۔ اس کے مطابق خضر ایک با ریش، باوقار بزرگ، سبز لباس پہنے، سبز چادر اوڑھے رہتے ہیں۔ صوفی تصورات کے مطابق حضرت خضر زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ صوفیائے کرام کے لئے حضرت خضر پیر و مرشد، تلقیءعلم کے ایک مصدر اور غیبی مدد گار اور راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صوفی جو بیابانوں جنگلوں میں، پہاڑوں پر سفر اور بھوک کی سختی برداشت کرتے تھے۔ ان کو کھانا کھلانے والے، بھولے ہوئے کو سیدھا راستہ دکھانے والے، دعائیں سکھانے والے، حیران و پریشان کی مدد کرنے والے، سمندر کے جزیروں میں رہنے والے، کوئی ولی وفات پا جائے تو اس کی نماز میں شریک ہونے والے، حج کا زمانہ آئے تو حج میں شریک ہونے والے حضرت خضر ہی ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کی بات سامنے رکھی جائے کہ خود حضرت خضر نے اُنہیں بتایا کہ اب وہ ایک روح ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اُنہیں اتنی قدرت دی ہے کہ وہ انسانی شکل میں سامنے آ سکیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح تو واقعی مرتی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خضر ایک روح ہیں جو کہ زندہ ہیں۔ اور انسانی مدد پر مامور ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ الرسالہ القشیریہ۔ ج ۴۔ صفحہ ۴۔

۲۔ سید احمد عروج قادری۔ اسلامی تصوف۔ صفحہ ۱۹۔

۳۔ کشف المحجوب۔ صفحہ ۲۹۔

۴۔ کشف المحجوب۔ صفحہ ۷۶، ۷۷۔

۵۔ ڈاکٹر محمد عبد الخالق انصاری۔ مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ۔ ج ۱۔ صفحہ ۵۵۔

۶۔ لسان العرب۔ ج ۴۔ صفحہ ۱۳۴۔

۷۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ اردو لغت۔ صفحہ ۱۷۷۔

۸۔ سید احمد دہلوی۔ فرہنگِ آصفیہ۔ ج ۲۔ صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹۔

۹۔ سید احمد دہلوی۔ فرہنگِ آصفیہ۔ ج ۲۔ صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹۔

۱۰۔ سید احمد دہلوی۔ فرہنگِ آصفیہ۔ ج ۲۔ صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹۔

۱۱۔ تاج العروس۔ ج ۱۱۔ صفحہ ۱۸۴۔

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ صفحہ۲۶۲، ۲۶۵۔

۱۳۔ مولانا مودودی۔ تفہیم القرآن۔ ج ۳۔ صفحہ۴۲۔

۱۴۔ القرطبی۔ الجامع لأحکام القرآن۔ صفحہ ۲۸۔

۱۵۔ روح المعانی۔ صفحہ۳۱۹۔

۱۶۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ اردو لغت۔ صفحہ۱۷۷۔

۱۷۔ تاج العروس۔ ج ۱۱۔ صفحہ۱۸۴۔

۱۸۔ کلیات میر۔ ج ۲۔ مکتبہ عالیہ لاہور۔ صفحہ ۱۲۸۔

۱۹۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مکتوباتِ ربانی۔ ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی۔ لاہور ۱۹۷۱ء۔ مکتوب نمبر ۲۸۲۔ صفحہ۷۵۲۔ ایضاً: پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیاء القرآن۔ جلد سوم۔ لاہور ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۳۸، ۳۹۔

۲۰۔ کلیات ذوق۔ صفحہ۳۳۶۔

۲۱۔ شرح ابیات باھو۔ نذیر سنز پبلشرز۔ اردو بازار۔ صفحہ۲۵۵۔

۲۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ صفحہ۲۶۲، ۲۶۵۔

۲۳۔ ابن کثیر۔ صفحہ۲۷۳۔

۲۴۔ کراماتِ اولیاء۔ صفحہ۱۱۷۔

۲۵۔ عبداللہ یافعی یمنی۔ راماتِ اولیاء۔ ترجمہ مولانا جعفر علی نگینوی۔ لاہور ۱۹۹۶ء۔ صفحہ۱۱۴، ۱۱۵۔

۲۶۔ کراماتِ اولیاء۔ صفحہ۲۸۰۔

۲۷۔ بحوالہ محمد اکرام چغتائی۔ داتا صاحب، حیات وافکار۔ سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور ۲۰۰۷ء۔ صفحہ۱۴۳۔

۲۸۔ کراماتِ اولیاء۔ صفحہ۱۲۵۔

۲۹۔ ذکرِ جمیل۔ صفحہ۶۷۵۔

۳۰۔ ذکرِ جمیل۔ صفحہ۶۷۶، ۶۷۷۔

۳۱۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ۔ لاہور ۲۰۰۸ء۔ صفحہ۲۰۹۔

۳۲۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ۔ صفحہ۲۱۶۔

۳۳۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ۔ صفحہ۲۲۸۔

۳۴۔ عین الفقر۔ صفحہ۱۱۹، ۱۲۰۔

۳۵۔ محمد علی چراغ۔ شرح ابیات باھو۔ لاہور ۱۹۹۹ء۔ صفحہ۱۴۔

۳۶۔ شرح ابیات باھو۔ صفحہ۴۶، ۴۷۔

۳۷۔ شرح ابیات باھو۔ صفحہ۲۷۲۔

۳۸۔ اصول تصوف۔ ترتیب و تحریر شاہ عبدالغنی پھولپوری۔ ادارہ اسلامیات۔ لاہور ۱۹۸۴ء۔ صفحہ۱۲۔

۳۹۔ کلیاتِ اقبال۔ اردو۔ کوشش ناتمام۔ صفحہ ۱۲۴۔

۴۰۔ تفسیر ابن کثیر۔ صفحہ ۲۶۳۔

۴۱۔ ذکرِ جمیل، صفحہ ۱۰۵۔

۴۲۔ القرطبی۔ صفحہ ۴۳۔

۴۳۔ کراماتِ اولیاء۔ صفحہ ۲۴۶۔

۴۴۔ ذکرِ جمیل۔ صفحہ ۵۱۶۔

۴۵۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ۔ صفحہ ۴۱۳۔

۴۶۔ تفسیر ابن کثیر۔ صفحہ ۲۶۳۔

۴۷۔ ملا علی قاری۔ نزہۃ الخاطر۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔

۴۸۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیہ۔ صفحہ ۴۰۶۔

۴۹۔ کراماتِ اولیا۔ صفحہ ۲۵۴۔

۵۰۔ خواجہ میر درد دہلوی۔ دیوانِ درد۔ مجلسِ ترقی ادب۔ لاہور۔ صفحہ ۲۴۱۔

۵۱۔ دیوان غالب۔ صفحہ ۲۴۶۔

۵۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۷۳۔

۵۳۔ کلیات میر۔ ج ۲۔ مکتبہ عالیہ لاہور۔ صفحہ ۱۰۷۔

۵۴۔ دیوان غالب۔ صفحہ ۱۴۹۔

۵۵۔ دیوان غالب۔ صفحہ ۲۰۳۔

۵۶۔ کلیاتِ ذوق۔ صفحہ ۲۵۵۔

۵۷۔ کلیات آتش۔ ج ۱۔ مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی۔ لاہور ۱۹۷۳ء۔ صفحہ ۳۹۴۔

۵۸۔ دیوان حالی۔ مرتبہ فرحت صبا۔ لاہور ۱۹۸۶ء۔ صفحہ ۵۳۔